ہندستان میں فسطائیت کی لہر-۲

ڈاکٹر محمد محب الحق

ارون دھتی رائے نے خبردار کیا ہے کہ : Fascism,s firm footprint has appeared in India. Let us mark the date spring 2002 [1] [ہندستان میں فسطائیت کا مضبوط نقشِ قدم ظاہر ہو چکا ہے جس کی تاریخ [بھارتی] گجرات میں ۲۰۰۲ء میں ہونے والی مسلمانوں کی نسل کشی سے طے کی جانی چاہیے۔]

اگر ہم دنیا کے مختلف ممالک میں فسطائیت کے عروج کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد، ہندستان میں فسطائیت کو پروان چڑھانے کے لیے پورے ماحول کو دیکھیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تقریباً چھے سو سالہ مسلمانوں کی حکومت ، ڈیڑھ سو سالہ انگریزی سامراجیت (جسے بھارتی فسطائی طاقتیں ، عیسائی حکومت بنا کر پیش کرتی ہیں)،۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے دوران نسلی فسادات کا ایک طویل سلسلہ، بھارت اور پاکستان کا ایک نیوکلیر طاقت کی حیثیت سے موجود ہونا اور دونوں ممالک کے درمیان جنگ وجدل اور دشمنی ، ہندستان میں تقریباً ۲۰ کروڑ مسلمانوں پر اپنی آبادی میں اضافے (Population explosion) کا الزام، عیسائیوں کی تقریباً ڈھائی کروڑ کی آبادی پر مذہب تبدیل کرانے کا الزام، مسئلہ کشمیر جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں پر ایک تحریک کا وجود القاعدہ اور داعش، جیسی خوف ناک تنظیموں کا خطرہ اور سب سے بڑھ کر عالمی سطح پر'اسلام فوبیا' کی موجودگی___ یہ ایسے اسباب وعوامل ہیں، جو اس ملک میں فسطائیت کی پرورش کے لیے معاون قرار دیے جا رہے ہیں، اور جن کا استعمال 'ہندوتوا' پر مبنی جماعتیں اپنے مقاصد وعزائم کی تکمیل کے لیے کر رہی ہیں۔

---

1 ارون دھتی رائے Gujarat,Fascism and Democracy مشمولہ چیتنیا کرشنا، دہلی ۲۰۰۳ء ص ۳۹

خطرناک صورتِ حال یہ ہے کہ ہندستان میں نسل پرست فسطائی طاقتوں اورخوش حال اور درمیانی کاروباری گھرانوں میں زبردست تال میل دیکھنے کو مل رہا ہے۔ لہٰذا، ذرائع ابلاغ جن پر کاروباری گھرانوں کو تقریباً مکمل کنٹرول حاصل ہے، وہ فسطائی نظریات کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر پورے ہندستان میں ایک خوف ناک دشمنی کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ ایک خاص قسم کا 'قومی ضمیر' (National Conscience) تیار ہو چکا ہے۔ جس میں اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں پر زیادتیوں کے لیے ایک قسم کی 'عمومی قبولیت' (Mass approval) نظر آتی ہے۔ دادری میں گائے کا گوشت کھانے کے صریحاً جھوٹے الزام میں جس طرح محمد اخلاق کا بے رحمی سے قتل کیا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں میں گوشت کا کاروبار کرنے والوں اور مویشی سپلائی کرنے والوں پر جس طرح زیاتیاں کی جارہی ہیں، وہ اس ہسٹیریائی ماحول کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

دوسری طرف عیسائیوں کے اداروں اور ان کے اہل کاروں پر حملے تیز تر ہو گئے ہیں۔ محروم طبقات، مثلاً دَلت، قبائلی لوگوں اور عورتوں پر بھی فسطائی نظریات کے تحت ظلم و زیادتی میں اضافہ ہورہا ہے۔ ۲۰۱۶ء کے اوائل میں حیدر آباد سینٹرل یونی ورسٹی میں ایک دَلت طالب علم روہیت ویمولا کی خودکشی بھی اس امر کا ثبوت ہے۔ یہ تمام باتیں اشارہ کرتی ہیں کہ ہندستان میں فسطائیت کا خطرہ حقیقی ہے جس کی دستک اور لہر تیز تر ہوتی جارہی ہے۔

● **فسطائیت کے عروج کے عوامل:** آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ فسطائیت کے عروج کے عوامل بھارت میں کس حد تک موجود ہیں اور فسطائی تحریک کا منطقی انجام کیا ہوسکتا ہے؟ اس حقیقت کو جاننے کے لیے چند اہم نکات پر نظر ضروری ہے، جو درج ذیل ہیں:

پروپیگنڈا فسطائیت کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ لہٰذا فسطائی طاقتوں کو پروپیگنڈا کرنے میں مہارت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ ان کے پاس ایسے منظم کارکنان ہونے چاہییں، جو کسی بھی جھوٹ یا ادھوری سچائی کو لوگوں میں سچ بنا کر پیش کریں اور سراسیمگی، خوف و ہراس کا ماحول پیدا کریں۔ نازی جرمنی میں وزیر برائے پروپیگنڈا جوزف گوئیبلز (Joseph Goebbls) کہا کرتا تھا: If you repeat a lie often

it becomes the truth,enough (اگر تم کسی جھوٹ کو بار بار بولو تو وہ سچ بن جاتا ہے)۔ [1]

ہندستان میں راشٹریہ سوامی سیوک سنگھ کے پاس ایسے بے شمار کارکنان موجود ہیں، جو اقلیتوں، محروم طبقات، مسلم دینی اور سوشلسٹ سیکولر جماعتوں ، امن پسند ہندوؤں کے خلاف پروپیگنڈا میں مہارت رکھتے ہیں اور ذرائع ابلاغ میں گہرے اثر ونفوذ کے باعث جو پوری طرح چھا چکے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ: ''یہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے مجرم ہیں، کیوں کہ یہ مسلمان 'ہم پانچ ہمارے پچیس' پر یقین رکھتے ہیں'۔۔۔ یہ پروپیگنڈا سراسر جھوٹ پر مبنی ہے مگر اس پر ملک کی ایک بڑی آبادی یقین رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان چار شادیاں کرتا ہے اور ایک بیوی سے اس کے گن کر پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا ایک مسلمان مرد کی فیملی ۲۵ /افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ: ''مسلمانوں کی آبادی اسی طرح بڑھتی رہی تو بہت جلد وہ ہندستان میں اکثریت میں آجائیں گے''۔

حالاں کہ اس پروپیگنڈے کو عام عقلی بنیادوں (common sense) پر ہی مسترد کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر مسلمانوں میں عورتوں اور مردوں کی شرح برابر بھی مان لی جائے تو ایک مرد کو شادی کے لیے ایک عورت اپنی قوم سے مل جائے گی، لیکن بقیہ تین عورتیں دوسری قوموں سے حاصل کرنی پڑیں گی۔ تاہم، مردم شماری بتاتی ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں تشویش ناک حد تک کم ہے۔ ایسی صورت میں دوسری قوموں کے کم از کم ۵۰ فی صد لوگ غیر شادی شدہ رہ جائیں گے۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ سامنے کے حقائق بھی ذرائع ابلاغ یا دانش ور پیش نہیں کرتے اور مسلمانوں کو 'لو جہاد' کے الزام میں زیادتیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کی 'گھر واپسی' [یعنی دوبارہ ہندو بنانے] کی کوشش کی جاتی ہے۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ معروف مؤرخ ڈاکٹر تنیکا سرکار صاحبہ نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے، ۲۰۰۲ء میں گجرات نسل کشی کے دوران میں

---

[1] بحوالہ اجے کمار (مرتب) Modi-fied Justice and Rule of Law, the Case of Best Bakery، Udhbhavana، ممبئی ۲۰۰۴ء، ص ۴

عورتوں اور بچوں پر ہونے والے مظالم کا تجزیہ کیا ہے۔ تنیکا سرکار کے مطابق: ''مسلمان مردوں میں بھرپور جنسی توانائی اور مسلمان عورتوں کی زرخیزی سے متعلق ایک گہرا افسانوی نوعیت کا جنسی جنون (obsession) پیدا کیا اور پھیلایا گیا ہے، جو مسلمانوں کی آبادی سے متعلق خوف و ہراس اور ردِعمل میں انتقام اور خونخواہی [revenge] کے جذبے کو جنم دیتا ہے۔ [1] گجرات نسل کشی کے دوران عورتوں پر ہونے والے ایک ہی نوعیت کے وحشیانہ مظالم (pattern of cruelty) کو پیش کرتے ہوئے تنیکا سرکار کہتی ہیں کہ: ''فسادات میں انتہا پسند ہندو بلوائیوں کا شکار ہونے والی مظلوم مسلمان عورتوں کے جسم جنسی تشدد کے لامحدود نشانات کی آماج گاہ تھے، جس پر نت نئی قسم کی اذیتوں کے گھاؤ دیکھے جاسکتے تھے۔ ان عورتوں کے جملہ جنسی اعضا خاص قسم کی وحشت کے ساتھ نشانہ بنائے گئے اور ان کے مولود یا نومولود بچوں نے ان دردناک اذیتوں کو اپنی ماؤں کے ساتھ جھیلا۔ ان کی ماؤں کو ان کے سامنے مارا گیا اور بچوں کو ماؤں کے سامنے اذیتوں اور سفاکیوں کا نشانہ بنا کر قتل کیا گیا۔ [2]

پروفیسر تنیکا سرکار کہتی ہیں کہ: ''اجتماعی تشدد کے تجزیے میں زنا بالجبر کو کسی قوم کی اجتماعی رسوائی اور بے عزتی سمجھا جاتا ہے۔ گجرات پریس نے ۸۰ ہندو عورتوں کے قتل کی یہ ایک من گھڑت کہانی پھیلائی کہ 'سابرمتی ایکسپریس' میں قتل سے پہلے ان ہندو عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ یہ ایک ایسا بے معنی پروپیگنڈا تھا، جس نے مسلمان عورتوں کے خلاف ظلم کی شدت کو بڑھاوا دیا۔ طوفان گزر جانے کے بعد اس کہانی کو خود گجرات پولیس نے بھی سرے سے من گھڑت اور جعلی قرار دیا''۔ [3] (مگر اب اس کا کیا فائدہ تھا؟)

رابرٹ او پیکسٹن نے لکھا ہے کہ فسطائی طاقتوں کو ایک 'وحشت ناک دشمن' (Demonized Enemy) کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے خلاف اپنے کارکنان اور مقلدین کو

---

۱ پروفیسر تانیکا سرکار کا مقالہ Semiotices of Terror: Muslim Children and Women in Hindu Rashtra مشمولہ چتنیا کرشنا (مرتبہ) حوالہ بالا، ص ۱۶۱

۲ ایضاً

۳ ایضاً

منظم ہونے کے لیے آمادہ کیا جا سکے۔ لیکن یقینا دشمن کا یہودی ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہر کلچر اپنے اپنے قومی دشمن خود طے کرتا ہے۔ [۱]

پیکسٹن کے مندرجہ بالا تجزیے کی روشنی میں گولوالکر کے نزدیک 'اندرونی دشمن' (مسلمان، عیسائی اور کمیونسٹ) کا ہوّا کھڑا کرنے کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ان دنوں خاص طور پر سوشل میڈیا پہ خود بھارت کے قومی رہنماؤں گاندھی، نہرو وغیرہ کو ہدف ملامت بنایا جارہا ہے اور اس کے مقابلے میں صبر اور عدل کی بات کرنے والے بھلے لوگوں کو بھارتی اکثریتی عوام کا مخالف بلکہ دشمن بنا کر پیش کیا جارہا ہے، اور یہ سب ایک سوچی سمجھی اسکیم کا حصہ ہے۔

جہاں تک تخیلاتی 'وحشت ناک دشمن' کا تعلق ہے، تو مسلمانوں، عیسائیوں اور کمیونسٹوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا جاری ہے۔ سنگھ پریوار جس میں آر ایس ایس، وشواہندو پریشد، بجرنگ دل، درگا واہنی، اور اس طرح کی تقریباً ساٹھ جماعتیں شامل ہیں، وہ سب اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈا میں مصروف ہیں۔ وشوا ہندو پریشد نے احمد آباد اور مضافات میں مسلمانوں کے خلاف معاشی بائیکاٹ کا اشتہار جاری کیا ہے، جو اس طرح کے مضمون پر مشتمل ہے:

وشواہندو پریشد، ستیم شیوم سندرم

جاگو! اٹھو! سوچو! ملک بچاؤ! مذہب بچاؤ!

معاشی بائیکاٹ ہی واحد مؤثر ذریعہ ہے۔ ملک دشمن عناصر، ہندوؤں سے کمائی ہوئی دولت کا استعمال ہمیں برباد کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ وہ ہتھیار خریدتے ہیں اور ہماری عورتوں اور بچیوں کی عصمتیں لوٹتے ہیں۔ ان کی اقتصادی ریڑھ کی ہڈی توڑنے کا طریقہ ہے، ایک معاشی عدمِ تعاون کی تحریک۔

آؤ عہد کرو:

۱- آج کے بعد میں کسی مسلمان کی دکان سے کچھ نہیں خریدوں گا اور نہ انھیں کچھ بیچوں گا۔

۲- ان ملک دشمن لوگوں کے ہوٹلوں اور گیراجوں کا استعمال نہیں کروں گا۔

۱	رابرٹ او پیکسٹن، The Anatomy of Violence، پینگوئن، لندن، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷

۳- اپنی گاڑیاں صرف ہندو گیراجوں میں دوں گا، ایک سوئی سے سونا تک۔
۴- میں مسلمانوں کے ذریعے بنائی ہوئی اشیا نہیں خریدوں گا اور نہ اپنی بنائی ہوئی چیزیں انھیں بیچوں گا۔
۵- ان فلموں کا بائیکاٹ کرو، جن میں مسلمان ہیرو اور ہیروین کام کرتے ہیں۔
۶- مسلمانوں کے دفاتر میں کام مت کرو اور نہ انھیں اپنے یہاں کام دو۔
۷- اپنے تجارتی مراکز میں نہ انھیں جگہ خریدنے دو اور نہ اپنی رہایشی کالونیوں میں انھیں جگہ دو۔
۸- ووٹ ضرور دو، لیکن صرف اسے جو ہندو راشٹر کی حفاظت کرے۔
۹- ہوشیار رہو! اسکولوں، کالجوں اور ملازمت گاہوں پر ہماری بہنیں اور بیٹیاں مسلمانوں کی محبت کے جال سے محفوظ رہیں۔
۱۰- میں کسی مسلمان استاد سے کوئی تعلیم کبھی نہیں لوں گا۔

اس طرح کا معاشی بائیکاٹ ان عناصر پر عرصۂ حیات تنگ کر دے گا۔ یہ ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دے گا۔ اس کے بعد ان کے لیے اس ملک کے کسی بھی کونے میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔ دوستو! اس معاشی بائیکاٹ کو آج ہی سے شروع کر دو۔ اس کے بعد کوئی مسلمان ہمارے سامنے سر نہیں اُٹھائے گا۔ کیا آپ نے یہ اشتہار پڑھا ہے؟ اس کی دس کاپیاں بنا کر ہمارے بھائیوں میں تقسیم کرو۔ جو لوگ اسے نافذ اور تقسیم نہ کریں ان پر ہنومان جی کا قہر اور رام چندر جی کا عتاب نازل ہو۔

جے شری شری رام، ایک سچا ہندو وطن پرست [1]

عیسائی رفاہی اور تعلیمی اداروں کے خلاف یہ تنظیمیں زبردست پروپیگنڈے کا جال بچھاتی ہیں۔ نتیجے کے طور پر عیسائیوں کے ادارے اور ان کے مشنری کارکنان، سنگھ کے نشانے پر رہتے ہیں۔ جن ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت ہے، وہاں عیسائی مشنری کارکنان کو اپنے مشنری کاموں میں

---

[1] کمال مترا چینوئی، وغیرہ، مقالہ Ethnic Cleansing not Communal Riot، مشمولہ چتنیا کرشنا، حوالہ بالا، ص ۲۱۵-۲۱۶

کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۹۹ء میں اڑیسہ کے منوہر پور گاؤں (ضلع کیونجھر Keonjhar) میں آسٹریلیا کے عیسائی مشنری گراہم اسٹینس کو، جو کوڑھ کے مریضوں کے درمیان خصوصی طور پر کام کرتے تھے اور جو اڑیسہ کے قبائلی علاقوں میں کافی مقبول تھے، انھیں ان کے دو بچوں کے ساتھ بجرنگ دل کے ورکرز نے دارا سنگھ کی قیادت میں زندہ جلا دیا۔ ۲۰۰۸ء میں اڑیسہ کے ہی کندھمال میں عیسائیوں پر اکثریت نواز ہندوؤں نے قہر برپا کیا اور کئی عیسائیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ عیسائی عورتوں کی بے دریغ آبروریزی، چرچوں کو جلانے وغیرہ جیسے روح فرسا مناظر دیکھنے میں آئے۔ [1]

'مفروضہ اندرونی دشمن' کے خلاف پروپیگنڈا کے ذریعے ایک جارحانہ اکثریت پسند قوم پرستی کو پروان چڑھانا اور پھر ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا جس میں 'مفروضہ اندرونی دشمن' کے خلاف زیادتیوں اور مظالم کے لیے عوامی تائید (Mass approval) حاصل ہو جائے، فسطائی طاقتوں کا اہم مقصد ہوتا ہے۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ ہندستانی معاشرہ ایک خاص قسم کا شعور رکھنے والے گروہ کو بھی جنم دے رہا ہے۔ یہ ایک ایسا گروہ ہے جس کی تعداد شروع میں بہت کم تھی، لیکن آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ گروہ اقلیتوں پر مظالم کو بڑھاوا دیتا ہے اور ایسے وحشیانہ مظالم ڈھانے والوں کو تحفظ دے کر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ گجرات نسل کشی ۲۰۰۲ء میں مسلمانوں پر جو زیادتیاں ہوئیں اس کی مثال مہذب دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ مثال کے طور پر وشوا ہندو پریشد کا اشتہار جس پر اس تنظیم کے گجرات کے جنرل سکریٹری چینو بھائی پٹیل کے دستخط ہیں، کھلے عام تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اشتہار میں یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ''ہم مسلمانوں کی اسی طرح ختم کر دیں گے جس طرح بابری مسجد کو''۔ اس کے بعد ایک انتہا درجے کی فحش (vulgar) نظم درج ہے۔ [2]

'دہشت گردی' کا نام لے کر مسلمانوں کی گرفتاریاں، اسلام اور تشدد کو مترادف کے طور پر

---

۱ گراہم اسٹینس ایک عیسائی مشنری تھا جسے بجرنگ دل کے کارکنان نے اس کے دو بچوں فلپ اور تیموتھی (۱۰ اور ۶ سال) کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں اڑیسہ کے منوہر پور میں ایک اسٹینس ویگن میں بند کر کے زندہ جلا دیا تھا۔

۲ پروفیسر تانیکا سرکار مذکورہ بالا، در چتنیا کرشنا (مرتبہ)، ص ۱۵۹۔ [اس نظم کی چند سطریں بھی درج کرنا ہمارے لیے ناقابلِ تصور ہے۔ ادارہ]

استعمال کرنا، اور یہ کہنا کہ: 'اگر سارے مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں تو سارے دہشت گرد مسلمان ضرور ہیں'۔ زعفرانی دہشت گردی کو مسلم دہشت گردی کا ردعمل بتانا وغیرہ بھی فسطائی طاقتوں کی سوچی سمجھی اسکیم کا حصہ ہے۔ چوں کہ فسطائی طاقتوں کو ہر لمحے ایک دشمن کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اگر کوئی حقیقی دشمن نہیں ہے تو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے ایک دشمن ایجاد کر لینا ضروری ہے۔ سمجھوتہ ایکسپریس، مالیگاؤں بم دھماکوں، مکہ مسجد اور اجمیر شریف بم دھماکوں میں زعفرانی دہشت گردوں کی شمولیت اور گرفتاریاں ثابت کر چکی ہیں کہ ان تمام بم دھماکوں میں معصوم مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا تھا، اور ان معصوم نوجوانوں کی گرفتاریوں کے بارے میں ملک کی خفیہ ایجنسیاں اور ریاستی پولیس من گھڑت کہانیاں بنا کر ایک پوری قوم کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کر رہی تھیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ناندیر اور کانپور میں بجرنگ دل کے پارٹی دفاتر اور لیڈروں کے گھروں سے خودکار آتشیں اسلحہ جات اور دھماکہ خیز مواد کا ذخیرہ پکڑا گیا۔ وہاں ٹوپیاں اور نقلی داڑھیاں بھی پائی گئیں، لیکن ذرائع ابلاغ نے اس پر کوئی زیادہ توجہ نہیں دی۔ اگر ہیمنت کرکرے [1] جیسا قابل اور ایمان دار افسر نہ ہوتا تو شاید زعفرانی دہشت گردی بدستور مسلمانوں کے سر ہی منڈھی جاتی رہتی۔

اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت کے داخلہ سکریٹری جی کے پیلانی نے کہا تھا کہ: ''زعفرانی دہشت گردی ایک سنگین مسئلہ ہے، لیکن ملک میں اس کا دائرہ محدود ہے''۔ [2] وزیر داخلہ پی چدمبرم نے دہلی میں ہونے والی ریاستی پولیس سربراہان، خفیہ ایجنسیوں وغیرہ کی میٹنگ میں زعفرانی دہشت گردی سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ [3] چدمبرم کے بعد وزیر داخلہ کے عہدے پر فائز سنیل کمار شنڈے نے کہا کہ بی جے پی اور آر ایس ایس اپنے ٹریننگ کیمپوں میں

---

[1] ہیمنت کرکرے ممبئی Anti Terrorist Squad (ATS) کا چیف تھا، جسے ۲۰۰۸ء میں ممبئی میں تین گولیاں لگنے سے جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ہیمنت کرکرے دراصل ہندو دہشت گردی کا انکشاف اور تفتیش کرنے والا پہلا بڑا آفیسر تھا۔ ہیمنت کرکرے کے قتل پر بہت سارے سوال اٹھائے گئے۔ ایس ایم مشرف کی کتاب *Who Killed Kar Kare?* اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

[2] دی ہندو، نئی دہلی، ۲۵ راگست ۲۰۱۰ء

[3] ایضاً

'ہندو دہشت گردی' کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔ [۱]

فسطائی طاقتیں تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ پر اپنا مکمل کنٹرول رکھنا چاہتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ سماجی علوم اور بطور خاص تاریخ کے نصاب پر زبردست توجہ مرکوز کرتی ہیں۔ ہندستان میں جاری Saffronisation of Education (تعلیم کی زعفرانیت، یعنی ہندو انتہاپسندانہ تعلیم) کا منصوبہ اس لیے بہت ہی اہم ہے۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں سینئر لیڈر اور وزیر برائے فروغ انسانی وسائل ارجن سنگھ نے راجیہ سبھا میں بی جے پی کی قیادت میں چلنے والی نصابی کتابوں میں تبدیلی کی تحریک کو 'طالبانی تعلیم' کہا تھا۔ [۲] جس پر بی جے پی نے واویلا کھڑا کیا اور ارجن سنگھ سے الفاظ واپس لینے کو کہا۔ لیکن بھارتی صدر پرنب مکھرجی نے دفاع کرتے ہوئے کہا کہ دوسری طرف (راجیہ سبھا میں) بیٹھے ہوئے ممبران فسطائی بھی ہیں اور طالبانی بھی۔ [۳]

ہندستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی اپنی مذہبی اور تہذیبی شناخت کے ساتھ رہتی ہے۔ چوں کہ پاکستان ایک ہمسایہ مسلم ملک ہے، اس لیے فسطائی طاقتوں کو ہندستانی مسلمانوں کا رشتہ پاکستان سے جوڑ کر اکثریت کی نگاہوں میں ملک کے ساتھ ان کی وفاداری مشکوک بنانے میں آسانی ہوتی ہے۔ رہی سہی کسر مسلمانوں کے بعض غیر ذمہ دار لیڈر اور ٹیلی ویژن پر بلائے جانے والے کم عقل دانش ور پوری کر دیتے ہیں۔

فسطائی طاقتوں کو اس دن پوری کامیابی حاصل ہو جاتی ہے، جب وہ اکثریت میں اقلیت کا خوف بٹھا کر اسے خود اقلیت کی طرح سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ تشویش کی بات ہے کہ میڈیا کنٹرول کے ذریعے اور مختلف دوسرے ذرائع ابلاغ کی مدد سے سنگھ پریوار نے ہندو اکثریت کے ایک بڑے طبقے کو اس حد تک متاثر کر دیا ہے کہ وہ اقلیتوں کی طرح سوچنے لگے ہیں اور انھیں مسلمانوں اور عیساؤں سے اس ملک میں 'ہندومت کو خطرہ' درپیش لگنے لگا ہے۔ زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اس پروپیگنڈا سے صرف عام لوگ متاثر نہیں ہیں بلکہ نیوز روم میں بیٹھے ہوئے افراد،

---

[۱] دی ہندو، نئی دہلی، ۲۱ جنوری ۲۰۱۳ء

[۲] دی ہندو، نئی دہلی، ۲۴ نومبر ۲۰۰۱ء

[۳] ایضاً

یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھانے والے اساتذہ اور سرکاری افسران، عدالتوں میں بیٹھے جج اور وزراے حکومت، بہت سارے لوگ اس منفی نظریے پر یقین کرنے لگے ہیں۔ تاہم، اس پروپیگنڈا کو چیلنج کرنے والے لوگ بھی مختلف اداروں اور معاشرے میں موجود ہیں۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندستان میں فسطائیت نے دستک دے دی ہے۔ ۲۰۱۴ء کے پارلیمانی انتخابات میں مدمقابل جماعتوں کی شکست اور ووٹوں کا انتشار ایک تشویش ناک صورتِ حال سامنے لایا۔ حکومت میں ایسے افراد کا شامل ہونا جن کے اوپر نسل پرستی اور اقلیتوں کے قتلِ عام کا الزام ہے، وزراے حکومت کے بیانات جوخوف ناک حد تک غیر ذمہ دارانہ ہیں۔ مسلم مکُت 'بھارت' کی تحریک کا اعلان کرنا اور عدالتی فعالیت کا خاموش رہنا، گئورکھشا آندولن کے نعروں کے جلو میں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنا، سیاسی سطح پر حزبِ اختلاف کا کمزور ہونا لمحۂ فکریہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ خطرے کی گھنٹی بھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ جرمنی اور اٹلی میں فسطائی طاقتوں کے عروج کا تاریخی شعور رکھتے ہوئے اور ان ممالک کے انجام کو دیکھتے ہوئے بھارت کے دانش ور اور لیڈر حضرات، عوام کو فسطائی طاقتوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ کر کے ہوشیار اور بیدار کریں۔

ان تمام باتوں کے باوجود اُمید کی کرن نظر آتی ہے۔ ہندستان کا معاشرہ ایک تکثیری معاشرے کی تاریخ رکھتا ہے۔ جہاں مختلف مذاہب، زبان، ثقافت اور ذاتوں کے لوگ رہتے چلے آئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہندو اکثریت میں ایک بہت بڑا طبقہ قتل اور خون کی سیاست کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ اس کا مقابلہ بھی کرتا ہے۔ اعزازات کی واپسی کی تحریک اس بات کا ثبوت ہے۔ پھر دلتوں، آدی واسیوں، پس ماندہ طبقات، جیسی سماجی تحریکیں فسطائی طاقتوں کو قدم قدم پر روکتی رہتی ہیں۔ عدالت عالیہ اور عدالت عظمٰی نے بھی حفاظتی اقدامات کے لیے کئی صورتوں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ہندستان میں فسطائی طاقتیں بہت آسانی سے ملک اور سماج پر پوری طرح حاوی نہیں ہوسکتیں۔ دوسری جانب اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں کو ان طاقتوں کے عروج کی بڑی بھاری قیمت چکانی پڑسکتی ہے۔ لیکن اگر اقلیتیں دوسرے محروم طبقات، مثلاً دَلت، پس ماندہ، اور قبائل کے ساتھ مل کر پُرامن مگر منظم جدوجہد کریں، تو فسطائیت کے اس طوفان کو روک سکتی ہیں۔ (مکمل)